محمد عمیر آصف
پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف سرگودھا۔
ڈاکٹر محمد شفیق آصف
صدر شعبہ اردو، ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینیٹیز، یونیورسٹی آف میانوالی۔

برصغیر میں نو آبادیات کے علمی، ادبی اور سیاسی اثرات

Muhammad Umair Asif
Scholar PhD Urdu, University of Sargodha.
Dr. Muhammad Shafiq Asif
Head Department of Urdu, Dean Faculty of Social Sciences and Humanities, University of Mianwali.

Scientific, Literary and Political Iinfluences of the Colonization in the Subcontinent

The British colonization had far-reaching effects on the subcontinent. This not only brought about scientific, literary, social and political changes, but also exposed the attitude of imperialism on a global scale. In Urdu,Post-colonialism is the name of a critical theory for history, culture and literature aimed at understanding the discourse of European imperialism. The colonization was a bitter experience for the subcontinent, affecting subcontinent. This system is also reflected in the writings written during the colonial period. The history of the subcontinent has many aspects to British colonization. Although British colonies gave Indian society modern trends, it is also a fact that it tried to distort the cultural identity of the subcontinent. Our current system contains numerous traces of colonies that are important for study.

Key Words: *British colonization, Modern Trends, Cultural Hegemony, Postcolonial effects, Imperialism.*

برطانیہ نے ہندوستان کو اپنی نو آبادی بنانے سے پہلے شمالی امریکہ اور ویسٹ انڈیز کی ریاستوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ برطانیہ استعماروں کو دوسروں کے خطوں کو اپنی کالونیاں بنانے میں دلچسپی کا بڑا سبب تجارت تھا۔ ۱۶۰۸ء کو ہندوستان میں برطانوی مہم جو تجارتی منڈیوں کی تلاش میں آئے۔ انہوں نے مقامی حکمرانوں سے تجارت کی اجازت

لینے کے بعد آہستہ آہستہ ساحلی علاقوں میں اپنی جاگیریں، تجارتی کوٹھیاں اور مال کے گودام تعمیر کیے۔ ہندوستان میں قدرتی وسائل کی فراوانی نے انگریزوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ مغلیہ سلطنت کی سیاسی حالت کو دیکھتے ہوئے حکومتِ برطانیہ کا ہندوستان میں قبضہ کرنے کا لالچ پیدا ہوا۔ اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے اپنے علاقوں کو چھاؤنیوں میں تبدیل کیا اور ذاتی فوج رکھنا شروع کر دی جس میں بیشتر سپاہی مقامی باشندے ہوتے تھے۔

اٹھارہویں صدی کے نصف اول تک مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہو چکی تھی اور نصف دوم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو باقاعدہ اقتدار حاصل ہوا۔ ۱۷۵۷ء کی جنگِ پلاسی میں رابرٹ کلائیو نے نواب سراج الدولہ کو شکست دی اور بنگال پر قابض ہو کر حکومت کی باگ دوڑ سنبھال لی۔ ۱۷۹۹ میں وارن ہیسٹنگز نے ٹیپو سلطان کو شکست دے کر میسور کو فتح کیا۔ ۱۸۰۰ میں برطانوی افسران کو ہندوستان کی تاریخ، سیاسی، معاشرتی اور تمدنی روایات سے روشناس کروانے کے لیے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج بنایا گیا۔ جس میں داستانوں اور ہندوستانی متون کا آسان اردو میں ترجمہ کروایا گیا۔ فورٹ ولیم کالج انگریزی مقاصد کے نگہبان تھا لیکن ان کا بالواسطہ فائدہ اردو زبان کو بھی ہوا۔ مغلوں کے زوال کے بعد فارسی زبان کو بھی زوال آیا۔ اکبری عہد میں اردو اور ہند مسلم تہذیب نے ترقی کی منازل طے کیں۔ اورنگزیب کے دور میں بھی اردو نے بطور مسلم زبان خاصی ترقی کی۔ مشائخ، صوفیا کرام اور بھگتوں نے زبان و ادب کے فروغ میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ دہلی جب بھی طوائف الملوکی کا شکار ہوا تو لوگ وہاں سے اودھ اور گجرات کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہ امیر تیمور کے حملوں کے باعث ہوا۔

۱۸۲۹ء کے بعد لارڈ ڈلہوزی اور لارڈ کیننگ نے ہندوستان کی کئی ریاستوں کو برطانوی حکومت میں شامل کیا جن میں سمبل پور، بھگت، جھانسی، ناگپور شامل تھے۔ ۱۸۵۶ء میں اودھ کے نواب واجد علی شاہ کو گرفتار کر کے ریاست اودھ کو بھی زیرِ نگیں کر لیا۔

انگریز خود کو ایک تہذیب یافتہ اور برتر قوم سمجھتے تھے۔ انگریز قوم اپنے احساسِ تفاخر کی وجہ سے ہندوستانیوں کو جاہل اور غیر مہذب سمجھتے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے سماجی، قانونی اور مذہبی ڈھانچے کئی اصلاحی ترامیم کیں۔

انگریز کے دور میں ایک الگ طرح کی حکمتِ عملیاں اپنائی گئیں۔ انگریزوں کی سیاسی عمل داری سے پہلے اردو زبان خاصی مستحکم ہو چکی تھی۔ انگریزوں کے آنے سے یہاں بیرونی اثرات کا ریلا آیا اور آہستہ آہستہ

یہاں کے معاشرے کو اپنے رنگ میں ڈھالنا شروع کیا۔ ہندوستان میں لارڈ کارنوالس کی بطور جنرل گورنر تعیناتی سے ایک نئے سیاسی عہد کا آغاز ہوا۔ اسی زمانے میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر پیدا ہوا۔ انیسویں صدی کے اوائل تک مسلمان سیاسی طور پر زوال کا شکار ہو گئے تھے۔ انگریز اور ہندو کی سیاست کا شکار مسلمان قوم تھے انہیں کئی اقسام کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، جس میں سیاسی، معاشی، تہذیبی اور سماجی مسائل اہم ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں انگریزوں کی سیاسی عمل داری کا خاتمہ ہوا اس سے قبل ہندوستان میں بہت سے تحریکیں اٹھیں اور اپنے اثرات چھوڑنے کے بعد ختم ہوئیں۔ اٹھارہویں صدی برِ صغیر کے سیاسی انتشار اور تہذیبی زوال کی صدی ہے۔ پورا ملک ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی انفرادی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا۔ انگریز حکمران اپنا معاشرتی سفر دو مختلف جہات میں کر رہے تھے، انگریزوں نے اہلِ ہند کی فکری ساخت کو تبدیل کرنے کے لیے نیا تعلیمی نظام نافذ کرنا شروع کر دیا تھا۔ انگریزوں سے پہلے ہندوستان میں مغل تہذیب کو روحِ عصر کا درجہ حاصل تھا۔ انگریزوں نے جب دہلی پر قبضہ کر لیا تو مرکزِ دہلی میں تخلیق ہونے والے ادب پر انگریزی اثرات مرتب ہوئے۔

۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی کو تاریخی و زمانی اعتبار سے ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اس واقعے کے بعد جہاں مغلیہ سلطنت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوا وہاں انگریزوں کو ہندوستان پر مکمل سیاسی عملداری حاصل ہو گئی۔ یہ سال عہدِ قدیم اور جدید میں ایک خطِ فاصل قائم کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ ہندوستان میں اس وقت مغلیہ سلطنت کا اقتدار علامتی حیثیت رکھتا تھا۔ جنگِ آزادی کے بعد اس کی علامتی حیثیت بھی ختم ہو گئی اور ساتھ ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کا بھی خاتمہ ہو گیا اور ہندوستان تاجِ برطانیہ کے زیرِ اقتدار آ گیا۔ چھاپہ خانہ کی آمد نے اس زبان کے فروغ کو تیز تر کر دیا۔ انگریزوں نے دو سو سال کی طویل مدت تک پر صغیر پاک و ہند کے وسیع علاقوں پر حکومت کی۔ ان غیر ملکی حکمرانوں کا اس سرزمین کی زبانوں، ثقافت، تاریخ اور زندگی پر بہت اثر ہے۔ برطانوی سامراج نے ہندوستان پر قبضہ اپنے مفاد کے لیے کیا۔ انہوں نے پورے ملک پر اپنے اقتدار قائم کرنے کے بعد ہندو اور مسلمانوں کو آپس میں لسانی اور نسلی تنازعات میں الجھا کر خود کو مضبوط کیا۔ انگریزی زبان چونکہ علمی زبان تھی اس لیے اس کے فروغ سے مغربی ادب، فلسفہ، تاریخ اور سائنس کے مغربی تصورات کو رواج ملا۔ ہندوستان کا ایک مقامی طبقہ انگریزوں کے ہم قدم رہ کر نئے علوم و ایجادات سے فائدہ حاصل کرنے اور سیاسی اقتدار میں شامل ہونے کی تمنا رکھتا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے آپس میں تنازعات بہت زیادہ بڑھ گئے۔ انگریزوں نے ہندوستان کے نظام میں بہت سی اصلاحات بھی کیں، ۱۸۵۷ کے بعد جب ہندوستان برطانیہ کا مقتدر ہو گیا تو ملکہ وکٹوریہ نے اعلان کیا کہ برطانیہ میں ہندوستان کے لیے ایک کابینہ

قائم کی جائے گی اور ہندوستان کی ترقی اور خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے اقدام اٹھائے جائیں گے۔ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعلیم کا تناسب اس قدر کم تھا کہ ایجوکیشن کمیشن نے تعلیمِ نسواں کی جانب خاص توجہ کی اور سفارشات کیں [1]۔ ہندوستان کی زرعی پیداوار بڑھانے اور اسے خام مال کی بڑی رسد گاہ بنانے کے لیے کوششیں کی گئیں۔ اس مقصد کے لیے نہریں کھدوائی گئیں۔ سڑکیں اور ریل کا راستہ بنایا گیا۔ ڈاک اور پولیس کے محکموں کو از سر نو مرتب کیا گیا۔ ۱۸۸۵ء میں جب اے او ہیوم نے ہندوستان کے سماجی امور میں تنظیم پیدا کرنے کے لیے انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی اس نے ہندوستانی قومیت کے تصور سیاسی شعور کی بیداری اور سیاسی امور کے فہم و ادراک کو پروان چڑھایا۔ شروع میں وکلاء اور زندگی کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے اس جماعت کا حصہ بنے لیکن بعد میں قوم پرستوں اور انتہا پسندوں کی شمولیت سے یہ جماعت خالصتاً ہندوؤں کی جماعت بن گئی اور برطانیہ کی حکومت کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کو جب اس بات کا احساس ہوا تو انہوں نے مسلم لیگ بنائی جس نے مسلمانوں کے اجتماعی شعور کو اجاگر کیا اور ۱۹۰۶ء میں ایک شاندار طاقت بن کر ابھرے۔ انگریزوں کو احساس ہو گیا کہ انہیں ہندوستان میں دو بڑی طاقتوں کا سامنا ہے ایک ہندو اور دوسری مسلمان ۔ لہٰذا اس نے ان کو آپس میں متحد نہ ہونے دیا۔ آزادی کے حصول کے لیے مختلف قسم کی تحریکیں چلنے لگیں۔ انگریزوں نے پہلی جنگِ عظیم میں ہندوستان سے بہت سا خام مال، افرادی قوت، جنگوں میں کام آنے والے ہندوستانی سپاہی اور ہندوستان کے ساحلوں سے فائدہ اٹھایا۔ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو پس ماندہ شعور کی حامل محکوم آبادی قرار دے کر اپنی برتری اور تسلط کو قائم رکھا۔ برطانوی اور ہندوستانی ایک حیثیت کے حامل تھے ۔ ہندوستانیوں کو محکوم بنا کر رکھا گیا۔ جس سے ان کی سیاسی، سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی زندگیاں متاثر ہوئیں اور یہ اثرات ان کے حال اور مستقبل پر بھی نظر آتے ہیں۔

انگریزوں نے ہندوستان میں جدید طریقۂ تعلیم کی بنیاد رکھی۔ یہ اس دور میں تبدیلی کا ایک بہت بڑا محرک تھا۔ اس کی وجہ سے تمدنی تحریکات کا آغاز ہوا۔ یہ نالج سسٹم اب بھی موجود ہے۔ ہندوستانیوں کے خیالات وجہ اخبار نویسی تھی۔ اخبارات کی بدولت قومی زندگی کے مطالعے کے سلسلے میں انہیں دلچسپی کا کافی سامان میسر آتا تھا۔ اخبار نویسی کی بدولت عوام کا تعلق بھی سیاسیات اور معاشرتی اصلاح سے قائم تھا۔

۱۸۰۰ء کے بعد ہندوستان چونکہ سیاسی نظم و نسق کے حوالے سے انگلستان کا محتاج تھا۔ اسی لیے اقتصادی صورتحال میں پیچیدہ نوعیت کے تغیرات رونما ہوئے۔ ہندوستان ایک نیم جاگیر ادارانہ اور صنعتی دور میں داخل ہوا۔

ہندوستان کی اس نئی اقتصادیات سے ایک خاص قسم کا معاشی تناؤ پیدا ہوا جس سے سوت اور ململ کی دستکاری کی صنعت تباہی سے دوچار ہوئی۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے بھی مزدور طبقہ پر جبر کا شکار تھا لیکن پھر بھی یہ صنعتیں اور دستکاریاں اپنے عروج پر تھیں۔ اس دور میں ایک انسانیت کو جو شرف حاصل تھا وہ بعد میں پھر کبھی حاصل نہ ہوا۔ اس حوالے سے باری علیگ لکھتے ہیں:

> "انگلستان کی بے پناہ صنعتی ترقی کی اصلیت کا ہندوستان کی دولت کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور یہ دولت اٹھارہویں صدی کے وسط سے آج تک اسی چشمہ سے در پردہ زیادہ تر نکالی جارہی ہے۔ بلا شبہ جب سے دنیا شروع ہوئی ہے کسی راس المال سے اتنا منافع حاصل نہیں ہوا جتنا کہ ہندوستانی لوٹ سے"(۲)

انگریزوں نے چونکہ سب سے پہلے صوبہ بنگال کو اپنا سیاسی مطیع بنایا تھا اس لیے جدید تعلیم اور دیگر معاملات میں صوبہ بنگال نے سب سے پہلے سرگرمی دکھائی۔ بنگال میں انگریزی تعلیم خاصی تیزی سے مقبول ہوئی۔ کلکتہ جو کہ طویل عرصے تک برطانوی حکومت کے صدر مقام کی حیثیت رکھتا تھا وہاں قائم فورٹ ولیم کالج سے اردو اور مقامی زبانوں کو جو ترویج حاصل ہوئی ان میں بنگالی زبان بھی شامل تھی۔

ابوالکلام قاسمی رقم طراز ہیں:

> "فورٹ ولیم کالج، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، اورئینٹل سیمنیری، دہلی کالج، کلکتہ مدرسہ اور بنارس اور آگرہ کے کالجوں کی ظاہری مشرقیت پسندی اور تعلیمی خدمات نے ایک اسی فضا قائم کر دی تھی کہ ایک بڑے علمی حلقے کو اس نوع کا کوئی برطانوی اقدام نہ صرف یہ کہ شک وشبہ سے بالاتر نظر آنے لگا تھا بلکہ اس نوع کے اقدامات میں ہی اسے ہندوستانی عوام کی تعلیمی اور تہذیبی فلاح و بہبود کا راستہ دکھائی دینے لگا تھا۔ ہندوستانی تہذیب اور اردو ادب کی تاریخ کے سیاق وسباق میں سرسید ان کے معاصرین کے لیے اس نوع کی برطانوی کوششیں غیر معمولی طور پر اطمینانِ قلب کا باعث تھیں۔"(۳)

بنگال میں معمولی سرکاری سرگرمیوں کے لیے عام طور مقامی افراد ہی ملازم رکھے جاتے تھے مثلاً ناخواندہ کاشتکاروں اور مزدوروں سے واسطہ پڑنے کی صورت میں انہیں مقامی بنگالی عملہ درکار ہوتا تھا۔ اسی طرح انگریز افسروں کے گھروں میں ادنیٰ درجے کے ملازم بھی مقامی لوگ ہی ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ انگریزوں کو اپنا مائی باپ

تصور کرتے تھے۔ البتہ جن روشن خیال لوگوں نے قدیم علوم کے بجائے اسی تعلیم حاصل کی جس سے انہیں مالی منفعت حاصل ہو سکتی تھی۔ وہی طبقہ مستحکم ہوا۔ طب اور قانونی تعلیم کی بدولت پیشہ ورانہ طبقہ پیدا ہوا۔ یہ پیشہ ور متوسط طبقہ کسی قدر سماجی شعور رکھتا تھا اور اخبار نویسی کے دور میں اپنی آواز بلند کرنے کا موقع ملا۔

۱۸۵۷ء سے پہلے تک ہندوستان میں لیتھو چھپائی، تارِ برقی، ڈاک خانے، ریلوے لائن اور بھاپ والے انجن آچکے تھے۔ انگریزوں کے لائے ہوئے مغربی نظامِ تعلیم کو بنگالیوں اور ہندوؤں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جب کہ مسلمان ابھی پس و پیش کا شکار تھے۔ یہاں سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس وقت مسلمانوں میں بھی مذہبی خیالات جمود کی حالت میں تھے، مسلمانوں نے انگریزی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کی طرف مائل نہیں ہوئے تھے۔ فارسی کے سرکاری زبان نہ رہ جانے کی وجہ سے اس کی تعلیم و تربیت کا معیار پست ہو گیا تھا۔ عربی تعلیم کے لیے جو پرانی درسگاہیں تھیں وہ بھی روبہ زوال تھیں۔ مسلمانوں میں سید احمد بریلوی نے مذہبی تحریک پیدا کی۔ انہوں نے پنجاب میں سکھوں کے خلاف جہاد کیا اور اسی میں شہادت پائی۔ مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے قرانِ پاک کی تفسیر لکھی۔ ان کے بھائی مولانا عبد القادر دہلوی نے قران شریف کا اردو ترجمہ کیا اور مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو مذہبی طور بیدار کرنے اور اس علاقے میں زبردست تبلیغی سرگرمیاں پیدا کرنے والی شخصیات میں ایک اہم نام کرامت علی جونپوری کا ہے۔ انھوں نے اسلامی بنگال کی تمدنی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ سید احمد بریلوی کے مرید تھے۔

دہلی میں مغلیہ دربار کی زبان فارسی تھی۔ شاہانِ اودھ اور لکھنؤ والوں میں اردو مقبول تھی۔ برطانوی ہند میں بنگال کو فوقیت حاصل تھی۔ ۱۸۳۵ سے بنگال کی عدالتوں میں قانونی بحث و مباحثہ اور عدالتی کاروائیوں کے لیے انگریزی زبان استعمال ہونے لگی۔ ۱۸۳۹ میں بنگالی زبان نے فارسی کو بھی نکال باہر کیا۔ اسی طرح اس دور کے خاتمے پر انگریزی مہذب زبان ہونے کی حیثیت سے ہر جگہ ترقی پا رہی تھی۔ اردو اور دیسی زبانیں بتدریج ترقی اور اہمیت حاصل کرتی رہیں۔ اردو زبان تیزی سے پختگی اور قبولیت کی منازل طے کرتی رہی جلد ہی اس نے جدید بنگالی زبان کے مقابلے میں اخبار نویسی میں ابتدائی کامیابیاں حاصل کیں۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی تمدنی توسیع و ترقی کے لیے مطبع کے استعمال کے تقاضوں پر پورا اترنے لگی۔

دہلی میں اردو زبان کا سب سے پہلا اخبار جس کا نام اردو اخبار تھا مولوی محمد باقر نے ۱۸۵۶ء میں جاری کیا جو کہ مولانا محمد حسین آزاد کے والد تھے۔ ۱۸۶۰ تک دہلی میں کئی اردو اخبارات موجود تھے۔ جن میں "صادق

الاخبار" اور لکھنؤ میں ایک اخبار "طلسمِ لکھنؤ" کے نام سے جاری تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ۱۸۸۵ تک کے زمانے میں ہندوستانیوں کے خیالات اور سماجی ماحول تبدیل ہو گیا تھا۔ اس دور کی نمایاں خصوصیت برطانوی خیالات کا فروغ اور برتری تھی۔

۱۸۵۷ء کے بعد کی ادبی صورتحال بھی تبدیل ہوئی۔ ان تمام حالات سے اردو کی قدیم شعری روایت کے فکری دھارے کو نقصان پہنچا۔ وہ شعرا جو جنھوں نے دہلی اور لکھنؤ کے قدیم ماحول میں تربیت پائی تھی اور اپنا خاص رنگِ سخن رکھتے تھے، غدر کے بعد وہ جیسے بجھ سے گئے تھے۔ کچھ ان میں زمانے کی اس نئی روح کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مرزا غالب کا غزل گوئی کے میدان میں وہ مرتبہ نہ رہا ہو لیکن اس دور میں سلیس، شستہ اور سادہ اردو میں اپنے دوستوں کو لکھے گئے خطوط میں ایک نئے اسلوب کے بانی کی حیثیت سے غالب کا مرتبہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ غالب کے ان رقعات کا اسلوب سادہ ہے اور ان میں وہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو روزمرہ کی گفتگو میں بولے جاتے ہیں۔ ان میں برجستگی اور پر معنی اختصار پایا جاتا ہے جو کہ ادبی اسلوب کا جوہر سمجھا جاتا ہے۔ ان کے شاگرد مولانا الطاف حسین حالیؔ نے اردو شاعری میں نفسِ مضمون اور طرزِ ادا کے اعتبار سے انقلاب پیدا کیا۔

ہندوستان میں جو انجمنیں اور منظم تحاریک نے مسلمانوں کے معاشرتی، ادبی اور سیاسی خیالات پر اثرات مرتب کیے ان میں مسلمانوں کے لیے سب سے مؤثر اصلاحی تحریک علی گڑھ یا سرسید تحریک تھی۔ سرسید احمد خان کی علمی، ادبی اور صحافتی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ اسی زمانے میں اسلامی عقائد کی تشریح اور مسلمانوں میں اصلاحات کے حوالے سے ایک بڑی شخصیت مولوی چراغ علی ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد جو کہ ۱۸۳۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے تاریخی، تحقیقی، ادبی انتقاد، شاعری کے اصناف اور نفسِ مضمون کے حوالے سے نئے اصولوں کی داغ بیل ڈالی۔ ۱۸۷۴ میں انھوں نے انجمنِ پنجاب کی بنیاد ڈالی اور اس کے ذریعے مشاعروں کا انتظام کیا۔ جس نے اردو شاعری کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ مولانا آزاد کی کتب "آبِ حیات" اور "نیرنگِ خیال" معروف مرتبہ رکھتی ہیں۔ ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

> "جہاں تک ادبی فکر کا سوال ہے، اس کی تبدیلی کا سب سے نمایاں اظہار کرنل ہالرائیڈ اور محمد حسین آزاد کی نظم جدید کی تحریک کے زریعہ سامنے آیا، انجمن پنجاب کے پلیٹ فارم سے محمد حسین آزاد کی تقریر "کچھ نظم اور کلام موزوں کے باب میں خیالات" اور خود کرنل ہالرائیڈ کے بیانات سے ان محرکات و عوامل کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اپنی تقریر میں محمد حسین آزاد نے اردو شاعری کے نقائص کا اعتراف کیا اور انگریزی شاعری کی تقلید کو واحد راہِ نجات بنا کر پیش کیا۔"(۴)

سر سید اور آزاد کے ہم عصر ایک شاندار شخصیت مولانا شبلی نعمانی کی بھی ہے۔ انہوں نے تنقید میں اعلیٰ درجے کی استعداد پیدا کی۔ اردو ادب میں تاریخی اور سوانحی تنقید کے حوالے سے انھوں نے ایک معیار قائم کیا۔ اپنی تصانیف "موازنہ انیس و دبیر" اور 'شعر العجم" میں مرثیہ گوئی اور ایرانی شاعری کے حوالے سے سیر حاصل تحقیق پیش کی۔ "سیرت النبیؐ" ان کی بہترین تصنیف ہے۔ انھوں نے جو تاریخی سوانح عمریاں لکھیں ان میں "المامون" اور "الفاروق" شامل ہیں۔

اسی عہد کے پر شکوہ نثر نگار لکھنؤ کے مولوی عبدالحلیم شرر ۱۸۶۰ -۱۹۶۲وہ ایک اخبار نویس، ماہر تعلیم، سیاح، مذہبی اور معاشرتی مصلح بھی تھے۔ مولانا عبدالحلیم شرر اپنی ناول نگاری کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں رومانوی، تاریخی، اساطیری اور منظر نگاری کے جوہر ملتے ہیں۔

سید اکبر حسین اکبر (۱۹۲۱-۱۸۴۶) اردو شاعری میں مذاق اور طنز کا امتزاجی رنگ بھرنے کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ان کی شاعری میں اپنے عہد کے تغیرات اور واقعات کی خوب عکاسی ملتی ہے اسی لیے انھیں لسان العصر کا لقب دیا گیا ہے۔ ان کے کلام میں ہمیں ظرافت کے بہت عمدہ مضامین ملتے ہیں۔

ہندوستان پر برطانیہ نے منظم اور مربوط منصوبہ کے مطابق قبضہ کیا اور دو سو سال تک غاصبانہ حکومت کی۔ یہ محکومیت ہندوستانیوں کی سماجی، ثقافتی یہاں تک کہ نفسیاتی زندگیوں پر اثر انداز ہوئی اور ان کے ماضی کو مسخ کر کے حال اور مستقبل کو بدل کر رکھ دیا۔ "نو آبادیات کا فلسفیانہ جواز یہ فراہم کیا گیا کہ وہ دنیا کو خیر و فلاح اور روشنی کی طرف بلانے کے لیے قائم کی جا رہی ہے۔"(۵)

ہندوستان کئی حوالوں سے خود کفیل ملک تھا۔ یہاں قدرتی وسائل، زرخیز زمین اور افرادی قوت کی بہتات تھی۔ جب انگریزوں نے ڈپلومیسی سے برعظیم کو اپنے قبضے میں لے لیا تو رسد و طلب کے ذرائع کو اپنے مطابق استعمال کیا۔ انھوں نے اپنے فائدے کے لیے سماجی اور اقتصادی اصلاحات نافذ کیں۔ ہندوستان کی زرعی پیداوار بڑھانے اور اسے خام مال کی بڑی رسد گاہ بنانے کی کوششیں کی جانے لگیں۔ اسی غرض سے ملک میں نہریں کھدوائی گئیں، ڈاک اور پولیس کے محکموں کو از سرِ نو مرتب کیا گیا۔

مستشرقین نے مشرقی علوم اور ادیان کے بارے میں تحقیق کا عمل بھی جاری رکھا۔ اس کام کی ایک وجہ تو سیاسی ضرورت تھی کیونکہ مغرب نے مشرقی ممالک میں اپنی شہنشاہت قائم کر لی تھی لہٰذا مفتوحہ قوموں کے متعلق علم حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ مستشرقین نے مذاہب کے تقابلی مطالعے، تاریخ، عمرانیات اور ادبیات کے میدان میں مشرق کے متعلق اپنے مفاد کے لیے علم حاصل کیا۔ مستشرقین نے جو علم مشرق کے متعلق حاصل کیا وہ زیادہ تر عام کتابوں، ذاتی مفروضوں اور واقعاتی تحقیق پر مبنی تھا۔

انیسویں صدی کے نصف دوم میں سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء نے تحریک علی گڑھ کے زریعے مسلمانوں کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ اس پر فتن دور میں مذہبی حوالے سے دار العلوم دیوبند، ندوۃ العلما اور دار المصنفین اعظم گڑھ کی خدمات بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ انھی تحاریک کی بدولت مسلمانوں میں شعور پیدا ہوا اور مسلمانوں نے یورپی تہذیب کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ مغربی تاریخ، تمدن اور علوم کے کے مطالعے سے انہیں اس کے بالعکس اسلام کا ایک جامع تصور قائم کرنے میں مدد ملی۔ مسلمانوں میں قومی شعور اجاگر ہوا اور انھوں نے مغربی سامراجی استعمار کے استبداد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور برصغیر میں تحریکِ آزادی کو پروان چڑھایا۔ صحافتی سطح پر رسالہ "تہذیب الا خلاق" اور رسالہ "اودھ پنچ" کا کردار قابلِ ذکر ہے۔ بیسویں صدی میں عالمگیر سطح پر تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> "بیسویں صدی کی ابتدا عالمگیر سیاسی و عمرانی انقلابات کی نقیب تھی۔ نظریاتی آویزش کا سلسلہ جو گذشتہ صدی میں عروج پر تھا یہاں پہنچ کر کچھ ختم ہو گیا۔ بظاہر مادی اور سائنسی نظریات نے روحانیت اور مذہب کو بھی کچل دیا۔ دنیا ایک بہت بڑی تجارتی منڈی بن گئی اور یورپ کی سامراجی طاقتیں ایک دوسرے کی حریف و رقیب بن کر بساطِ عالم پر اپنے اپنے مہرے دوڑانے لگیں۔"(۶)

جنگ روس و جاپان میں جاپان کی فتح سے مغربی استعماری قوت میں لرزش واقع ہوئی۔ ۱۹۰۴ء میں جب جاپان نے روس جیسی بڑی قوت کو شکست دی تو محکوم قوموں کو نفسیاتی طور پر تقویت پہنچی۔ کمال اتاترک اور جمال الدین افغانی کے نظریات نے ہندوستانیوں کی تحریکِ آزادی کو فروغ دینے کے لیے مہمیز کا کام کیا۔ بلادِ اسلامیہ میں ذہنی بیداری پیدا ہوئی اور مغربی سامراج کے خلاف بین المسلمین اتحاد پیدا ہوا۔

۱۹۱۴ میں پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہوا جس نے پورے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس سے قبل اردو ہندی تنازعہ، تقسیم بنگال اور اس کی تنسیخ، منٹو مارلے اصلاحات جیسے واقعات سے مسلمانوں میں الگ سیاسی وجود کا جذبہ پیدا ہوا۔ اسی جذبے کے زیرِ اثر مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پہلی جنگِ عظیم میں ترکوں اور جرمنوں کا شکست اور امریکہ، برطانیہ اور فرانس کو فتح حاصل ہوئی۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہندوستان کے سیاسی اور سماجی منظر نامے میں کچھ ااور تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جاگیر داروں کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار جماعت پیدا ہوئی اور ہندوستان کا پڑھا لکھا طبقہ مڈل کلاس کی شکل میں ابھرا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہندوستان کی آزادی کے لیے کانگریس اور مسلم لیگ نے مل کر جدوجہد کا آغاز کیا۔ یہ ہندوستان کی سیاست کے منظر نامے میں ایک ہیجانی دور تھا۔ اس دور میں ہندوستان میں انقلابِ روس کے بعد اشتراکی خیالات بھی فروغ پانے لگے اور معاشی مساوات کا تصور ہندوستانی نوجوانوں کے ذہنوں پر حاوی ہوا۔ دوسری جانب برطانیہ میں اس صورتحال پر قابو پانے کے لیے دستور سازی کی جانے لگی۔ ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ ایکٹ آف انڈیا میں ہندوستانیوں کو مرکزی اور صوبائی خود مختاری کا موہوم سا تصور ملا۔ اس سے ہندوستانیوں کو بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ لیکن اس کی بھی تمام شقوں پر عمل درامد نہ ہو سکا۔ جداگانہ قومیت کے نظریہ کے تحت ۲۳مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار دادِ پاکستان عمل میں آئی۔

۱۹۳۹ء میں دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہوا۔ برطانیہ کے صورتحال پر قابو پانا بہت مشکل ہو گیا۔ ۱۹۴۵ء کو امریکہ نے جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر دنیا کے پہلے جوہری بم گرائے جس سے لاکھوں لوگ ہلاک ہوئے۔ اس سے انسانیت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا اور کسی ملک کی سالمیت کے ایٹمی طاقت بننا ناگزیر ہو گیا۔ ۱۹۴۵ میں اتحادیوں نے دوسری جنگِ عظیم بھی فتح کر لی۔ اس فتح کی برطانیہ کو یہ بھاری قیمت ادا کرنی پڑی کہ اس کی اپنی نو آبادیوں پر گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ چنانچہ وزراتی کمیشن ہندوستان آیا اور حکومتِ برطانیہ اور ہندوستانی قائدین کے درمیان مذاکرات ہونے لگے۔ ہندوستانی لیڈر برطانیہ گئے اور حکومتِ برطانیہ کو اپنا موقف سمجھایا۔ بالآخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو ہندوستان لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی نگرانی میں دو آزاد خود مختار مملکتوں میں منقسم ہو گیا۔

جو بھی ممالک کسی نو آبادیاتی استعماری قوت سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے وہ دیر تک اس کے اثرات کا شکار رہے کیونکہ ایک طویل محکومیت کے بعد ان کے اصل معاشرے نے اپنی قوت و توانائی کھو دی تھی۔ مزاحمتوں اور بغاوتوں سے حکومت کا تختہ تو الٹا جا سکتا ہے، اس کے فوراً بعد نارمل حالات نہیں پیدا کیے جا سکتے۔ اپنی غلامی اور استعمار کی شکست کا تجزیہ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ مہذب قوموں کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ اپنے ماضی سے

سبق حاصل کرتی ہیں۔ تہذیب و ثقافت کا احیا اس بات میں پوشیدہ ہے کہ توازن اور تناسب کا رستہ اپنایا جائے اور نظریاتی شدت پسندی سے پرہیز کیا جائے۔ خود کو معاشی اور دفاعی طور پر مضبوط بنانا از حد ضروری ہے تاکہ قوت کا توازن ٹھیک رہے۔، اس حوالے سے ڈاکٹر احمد سہیل لکھتے ہیں:

> "نو آبادیاتی نظام سے چھٹکارہ حاصل کرنے والی قوموں کو احساس ہوا کہ ان کے سابقہ نو آبادیاتی آقا انھیں التباس میں رکھ کر آسائشات زندگی کا جھانسہ دے کر مزید اندھیرے کے غار میں دھکیل رہے ہیں تو ان قوموں کی انا جاگ گئی اور کسی نہ کسی طریقے سے ان روایتی، قدامت پسند، پس ماندہ اور غریب قوموں نے بھی نیو کلیائی طاقت حاصل کر لی ہے۔"(۷)

ہندوستان میں برطانوی اقتدار قائم ہوا تو تاریخ کے تسلسل، روایات واقدار، اداروں کی شکست وریخت اور پرانی عادتوں میں تبدیلی واقع ہوئی۔ ہندوستانی معاشرے کو اندرونی طور پر ساخت اور ہیئت میں تبدیلی کا سامنا کرنا پڑا۔ نئے اداروں کی تشکیل اور نئے ذہن کی پیدوار نے ماضی سے رشتہ ختم کر دیا اور معاشرے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جو کہ اب بھی موجود ہے۔ ایک وہ جو یورپی نظریات کو ماننے والے ہیں اور دوسرے وہ جو اب تک ماضی سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ دونوں معاملات میں انتہا پسندی نقصان دہ ہے۔ یورپی تہذیب کے دلدادہ ہونے والے کو اپنی روایات اور ماضی کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے اور ماضی پرستوں کو صرف ماضی میں شان و شوکت اور افادیت کو تلاش نہیں کرنا چاہیے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان اس نو آبادیاتی دور سے گزر کر جدیدیت سے روشناس ہوا۔ مغربی تعلیم نے روشن خیال طبقے کو پیدا کیا۔ سائنس، فلسفہ، طب اور دوسرے سماجی علوم میں عقلیت کو پروان چڑھایا گیا۔ معاشرے میں اداروں اور تنظیم سازی کی کی روایت پیدا ہوئی جس سے نظم وضبط کے اصول کی نئی شکل میں وضع ہوئے اور تعلیم نے نئے نئے پیشوں کو وضع کیا۔ تبدیلی کے اس عمل میں نو آبادیاتی حکومت کے اپنے مقاصد تھے۔ اس کا فائدہ ہندوستانی معاشرے کو بھی ہوا۔ نو آبادیاتی دور میں انگریز حکمران طبقے نے مذہبی معاملات میں دخل اندازی سے پرہیز کیا اور سیکولر اندازِ فکر کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی۔ اس دور میں مشرقی اور مغربی افکار وخیالات کے ملاپ سے جو ثقافت ابھری اس نے ہندوستان کے منجمد معاشرے کو متحرک کیا۔ ڈاکٹر طارق کلیم لکھتے ہیں:

"ادبی محاذ پر بانگریزوں نے شاعری اور نثر میں بہت سی ہیئتوں اور اصناف کو متعارف کروایا۔ انگریزوں کی وجہ ہی سے برصغیر کے لوگ ناول، افسانے، سوانح عمری، آپ بیتی، مضمون، انشائیے، خاکے جیسی اصنافِ نثر سے متعارف ہوئے۔"(۸)

نو آبادیاتی نظام جہاں ہندوستان میں تبدیلیوں کا سبب ہے وہیں یہ ایک استحصالی نظام بھی ہے نو آبادیاتی نظام نے ہندوستان اور پاکستان کی صنعتی ترقی اور پھیلاؤ کو روک دیا ہے اور اپنے مفادات کی خاطر اسے غیر صنعتی بنا دیا ہے۔

تقسیم سے قبل ہندوستان میں سیاسی تحریکوں کے پیدا ہونے کی وجہ معاشی شعور بھی تھا۔ ہندوستان کے لوگوں کے قدیم دور میں درست اندازہ نہیں تھا کہ ان کے ملک میں اس قدر معاشی زرائع ہیں اور نو آبادیاتی نظام ان کا کس طرح معاشی استحصال کر رہا ہے۔ معاشی زرائع کو استعمال کرنے کی صلاحیت حاصل کرنے کے تصور نے مقامی افراد کو حوصلہ فراہم کیا۔

مسلمانوں اور ہندوؤں میں آویزش کی ایک بڑی وجہ اقتدار کا حصول تھا۔ ہندو، انگریزوں کے بعد پورے خطے کے مالک و مختار بننا چاہتے تھے کیونکہ وہ اکثریت میں تھے جبکہ مسلمانوں کے لیے یہ ناقابلِ قبول تھا۔ اسلامی تاریخ اور کلچر کے احیانے مسلمانوں میں جداگانہ شناخت اور الگ قوم کا تصور تشکیل دیا۔ ہندوستان کے قوم پرستوں کی یہ پوری کوشش رہی کہ ہندو مسلم متحد ہو کر سامراج کی بھرپور مخالفت کریں لیکن ہندوؤں نے اپنی فطرت سے خود کو مسلمانوں کا دشمن ثابت کیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس اختلاف کی وجہ سے دونوں قومیں اپنے اپنے ملک کے اہم مسائل کا تصفیہ کرنے میں ایک متحد ذہنی مرکز قائم کرنے سے محروم ہیں۔

برطانوی عہد ہماری تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کے ابتدائی دور میں ہمیں مایوسی نظر آتی تھی لیکن بعد میں تقلید کا دور آیا اور اس کے بعد سیاسی تحاریک کا غلبہ ہوا۔ اس دور کے خاتمے کے بعد انقلاب کا زور بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ سیاسی طور پر ایشیا اور افریقہ کے ملک آزاد ہو گئے، مگر سماجی و معاشی، سائنسی اور فکری طور پر مغرب کے زیرِ اثر اور تسلط میں ہی رہے۔ "ایشیا و افریقا کے ممالک نے استعمار سے سیاسی و انتظامی آزادی تو حاصل کر لی مگر ثقافتی آزادی نہیں۔ ان ملکوں میں مقامی حکمران تو آ گئے، نئے یا اصلاح شدہ انتظامی ادارے بھی وجود میں لائے گئے مگر انگریزی، فرانسیسی یا ہسپانوی غلبہ بدستور قائم ہے: یورپی طرزِ زندگی، لباس، خوراک، طرزِ تعمیر، فنون، نظریات کو اسی غیر تنقیدی نظر سے قبول کرنے کا رویہ عام ہے، جو نو آبادیاتی عہد میں تھا۔"(۹)

نو آبادتی نظام سے ہم نے وراثت میں تعلیمی نظام حاصل کیا ہے۔ ہمارے ہاں اب بھی حکومت کرنے کے وہی طور طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ فوج، بیوو کریسی اور خفیہ اداروں کے زریعے عوام کو مستقل دباؤ میں رکھا جاتا ہے۔ ابلاغِ عامہ کے زریعے حکومت عوام کے ذہنوں کو مسخر کرتی ہے۔ نو آبادیاتی دور سے ہمیں عوام اور عوام میں دوری کا ورثہ ملا ہے۔ انگریزوں نے بھی ہندوستان میں جو افسر شاہی کا نظام قائم کیا تھا اس کی بنیاد خوف، رعب اور ٹھاٹ کی بنیاد پر رکھی گئی تھی۔ اعلیٰ افسروں کے پاس اتنے اختیارات تھے کہ لوگ ان سے خوف کھاتے تھے۔ ان کی تنخواہیں بہت زیادہ تھیں، معاشرت شاہانہ تھی[۱۰]۔ اب بھی یہی صورتحال اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔

انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں ایک خاص نظامِ تعلیم تھا۔ مساجد ہی مکتب تھے جہاں سے بچے قران و حدیث کا درس لیتے تھے۔ اس کے علاوہ مدارس کی حیثیت آج کی کسی یونیورسٹی کی طرح تھی جہاں علوم کے ساتھ مختلف مہارتیں بھی سکھائی جاتی تھی۔ سامراجی دور میں جن تعلیمی اصلاحات کا نفاذ ہوا اس میں مذہبی درسگاہوں کی جگہ انگریزی طرز کا تعلیمی نظام رائج کیا جس میں سکول، کالج اور یونیورسٹیاں تھیں، جہاں انگریزی اور سائنس کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ ہندوستانیوں کو انگریزی سکھانے کے جانب حکومت نے خاص توجہ دی۔ اسی طرح انگریزی لٹریچر اور یورپی سائنسی علوم پر مشتمل نصاب تشکیل دیا۔ انگلستان میں بہت سے عیسائی مشنری تعلیمی ادارے بھی قائم ہوئے جس کا مقصد عیسائیت کی تبلیغ تھا۔ مابعد نو آبادیاتی عہد میں اب تعلیمی ادارے، طلبا یونین، کلب، کھیلوں کے مراکز، رضاکارانہ اور غیر نصابی سرگرمیوں کے مراکز قائم ہیں۔

ہندوستان میں انگریزوں نے آمدورفت اور مال کی ترسیل کے لیے ریلوے کا نظام قائم کیا۔ مواصلت اور پیغام رسانی کے لیے ٹیلی فون اور تار کا نظام متعارف کروایا، پولیس اور ڈاک کا محکمہ، بینکاری کا نظام، ریلوے سٹیشن، مال گودام اور بندرگاہوں کی تعمیر کی گئی۔ ان سب کے باوجود بھی ہندوستان اقتصادی طور پر پس ماندہ رہا کیونکہ اس سب کا مقصد ہندوستان کی دولت سے اپنے میٹروپولس کا مضبوط کرنا تھا نہ ہندوستان کو اقتصادی ترقی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ انگریزوں کے دو، تین سو سالہ قیام میں ہندوستان میں توپ خانہ اور بندوقیں متعارف ہوئیں۔ اب ہندوستان، پاکستان میں اسلحہ بنانے والی کئی فیکٹریاں قائم ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں ان کی دلچسپی کا مرکز یہاں کے وسیع معدنی ذخائر اور قدرتی وسائل تھے۔ برطانوی حکومت کے آخری دور میں ہندوستان کو غیر صنعتی ملک بنا کر ٹیکنالوجی اور جدید مصنوعات کو فروخت کر کے

منافع حاصل کرنے والی منڈی بننے کی پالیسی اختیار کی گئی۔ نو آبادیاتی اثرات کے زیرِ اثر برصغیر میں سیلف گورنمنٹ کے نام پر جمہوری طرزِ حکومت متعارف ہوا۔

برطانوی سامراج کے اس تمام تر استحصالی عمل میں ہندوستان کے حکمرانوں کی نااہلی، اندرونی معاملات میں عدم توازن اور دیگر کئی اقسام کی قومی کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے انگریزوں نے ایک طویل عرصہ تک اس خطے کے باشندوں کو اپنا محکوم بنائے رکھا۔ دنیائے عالم میں پاکستان اور ہندوستان کا شمار ترقی پذیر ممالک میں ہوتا ہے جو خود کو معاشی طور پر مستحکم کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں اور کچھ معاملات میں دنیا کی معاشی سپر پاور کی دست نگر ہیں۔ عالمی تجارت میں ترقی پذیر ممالک کو صارف بنا کر رکھا جا رہا ہے جس کی وجہ سے وہ ترقی سے محروم ہیں۔

یورپی نو آبادیات نے ہندوستان کی سماجی اور ثقافتی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ یورپ کے یہ اثرات مشرق پر اب بھی کئی صورتوں میں موجود ہیں۔ روس جو کہ کچھ دہائیاں قبل عالمی طاقت تھا اس کے ٹکڑے کر کے اس وقت امریکہ دنیا میں اپنی دہشت قائم کیے ہوئے ہے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان دوستانہ تعلقات اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے جب تک تنازعۂ کشمیر کو مناسب طور سے حل نہیں کیا جاتا اور اس کے لیے یورپ کی جانب ہی دیکھتے ہیں کہ عالمی برادری اس میں اپنا کردار ادا کرے۔ کشمیر کے تنازعے کو اگر تقسیمِ برصغیر کے وقت ہی پیدا نہ کیا جاتا تو خطے میں کشیدگی کی وجہ نہ بنتا۔ مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر تعصب سے معاشرہ میں بدامنی جنم لیتی ہے جس کے اثرات معاشیات پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

مابعد جدیدیت جو کہ تاریخ کی ادوار بندی کے لیے ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے یہ موجودہ دور کی خصوصیات کے بیان کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس دور میں ملٹی نیشنل کمپنیوں اور انفارمیشن ٹیکنالوجی نے لوگوں کے ذہنوں پر اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ جس طرح نو آبادیات نے ہندوستان کی عظیم اور قدیم روایات اور مذہب کے اخلاقی و روحانی پہلوؤں کو نقصان پہنچایا تھا اسی طرح موجودہ دور میں انسان کی فکر کی فطری نشو و نما کو بھی متاثر کیا ہے۔ انسانوں کی ایک بڑی تعداد شدید نفسیاتی مسائل سے دوچار ہے۔ الیکٹرانک، پرنٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے مغربی تہذیب کو مقبولِ عام بنانے کا عمل اب زور و شور سے جاری ہے۔ فیشن انڈسٹری میں مغرب کا بڑا اشتراک ہے۔

عالمی جنگوں کے بعد یورپ نے یہ جان لیا ہے وسائل پر قبضہ کرنے کے بجائے اذہان کو تسخیر کرنے کے سے ثقافتی اور تہذیبی اجارہ داری قائم کی جا سکتی ہے۔ علم و ادب میں میں مغربی فکر، تنقید اور صنفی اثرات موجود ہیں

جنہیں متن میں ساخت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اردو میں انگریزی زبان کے الفاظ کی شمولیت بھی نو آبادیاتی عہد کا ثمر ہے۔

یہ بات بہت خوش آئند ہے کہ ادب، عمرانیات، بشریات، سیاسیات اور اقتصادیات کے میدان میں ہونے والے جدید مطالعات میں نو آبادیاتی فکر سے الگ ہو کر سوچا جارہا ہے۔ مشرق کے تنقیدی سرمایے کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جارہا ہے۔ ادب کو سیاسی ڈسکورس کے تناظر سے دیکھنے سے محاسبے کا نیا در کھلا ہے۔ پوسٹ کلونیل مطالعے نے متن میں موجود بین الثقافتی مفاہیم کو پھیلا کر دیکھنے کو کوشش کی ہے۔

مابعد نو آبادیاتی عہد میں پوری دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے۔ سب سے بڑی جو تبدیلی واقع ہوئی ہے وہ دوام کی موت ہے کسی چیز کو دوام حاصل نہیں ہے۔ انسان کا اپنے ماضی سے ناطہ ٹوٹ گیا ہے۔ اب انسانی آبادی میں اس قدر اضافہ ہوا ہے کہ تبدیلی کی شرح پہلے کی نسبت بہت بڑھ گئی ہے۔ مستقبل انتہائی غیر متوقع ہو کر رہ گیا ہے۔ گھر کا حصول دنیا کے ہر خطے میں ایک بہت بڑا چیلنج ہے جس کو پورا کرنا غریب انسانوں کے لیے مشکل ہوتا جارہا ہے۔

اگرچہ نو آبادیاتی عہد میں جو صنعتی نظام رائج کیا گیا وہ اب موجودہ عہد میں اپنی شکل تبدیل کر چکا ہے۔ سرمایہ دار اب بھی اپنے مقاصد کے حصول کے سوشلسٹ اور کمیونیسٹ ممالک میں موجود ہیں۔ صنعت یا حکومت میں موجود اعلیٰ رکن اپنی حکومت اور کمپنی کی تنظیم اور مفاد کے لیے مختلف نوعیت کی ڈپلومیسی اختیار کرتے ہیں۔

موجودہ دور پر کلونیل ازم کے اثرات کافی گہرے ہیں۔ سیاسی اور معاشی آزادی کے علاوہ یہ سول رائٹس کی بھی بات کرتی ہے۔ دنیا میں جب تک کلچر امپیریلزم اپنی مختلف شکلوں میں موجود ہے تیسری دنیا اور افریقہ کی آزاد ہونے والی بیشتر کالونیاں بھی اس کے زیرِ اثر رہیں گی۔ کیونکہ اس نظام کے اثرات کسی نہ کسی شکل میں آج بھی اپنا وجود رکھتے ہیں۔ پوسٹ کلونیل ازم مطالعات اس کا ثبوت ہے جسے مائیکل فوکالٹ کی زبان میں طاقت کی تجسیم قرار دیا گیا ہے۔ برصغیر میں آج کل مقامی زبانوں کی بیداری کے حوالے سے بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں۔ برصغیر کی آزاد کالونیوں میں ایسے لسانی مسئلے بھی عام ہیں اور سامراج بھی یہ چاہتا ہے کہ مقامی زبانوں کو ابھار کر کسی ملک کے مرکزی دھارے کو کمزور کیا جائے۔ اس صورت میں کسی بھی معاشرے کے افراد مقامی اور علاقائی سطح پر محدود ہو کر سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے اور یوں کسی بھی ملک کی مرکزیت کمزور پڑ جائے گی۔ جس کا سب سے زیادہ فائدہ سامراجی قوتوں کو ہو گا کیونکہ اس طرح وہ اپنے احداف اور مارکیٹوں پر آسانی سے قبضہ کر سکیں گے۔

جدید دور میں سرمایہ دارانہ پیداواری عمل انسانوں کی سوچ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ فن اور ادب اس سے گہرے اثرات قبول کرتا ہے۔ کوئی بھی قلم کار اپنے معاشرے کی سماجی صورتحال کو سمجھنے کے لیے اس کی سماجی بنیاد کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے۔ مینجر پانڈے کی کتاب "ادب کی سماجیات: تصوراور تعبیر" کے مترجم سرور الہدیٰ کے مطابق:

> "قلم کار سماجی صورتحال کو سمجھنے کے لیے اس کی سماجی بنیاد اور پیشے کا علم ضروری ہے۔ ہندوستان میں قلم کار کی سماجی بنیاد کی شناخت اس بات سے قائم ہوتی ہے کہ اپنے طبقے میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ اس کے بعد پیشہ، ماحول اور سماجی اداروں کے اثرات پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور یہیں سے اس کے اقتصادی اور حفاظتی مسائل بھی سامنے آتے ہیں۔ اسی عمل میں حکومت سے قلم کار کے رشتے کی بات بھی اہمیت اختیار کر لیتی ہے"(۱۱)

ادب اور کے سلسلے میں یہ بات بھی اہمیت رکھتی ہے کہ کوئی فن پارہ کس صورتحال میں وجود میں آیا ہے۔ اس بات کی تحقیق کافی مشکل ہے تاہم کچھ لوگ متن کے آزاد جود کو اس لیے اہمیت دیتے ہیں کہ وہ اس کے لفظیاتی نظام کے حوالے سے بحث کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ جب تک فن پارے اور زمانے کا تعین نہ ہو جائے تو اس کی قدر و قیمت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔ ادب اور آرٹ میں سماجیات کی تلاش ایک ایسا انسانی عمل ہے جو ادب اور سماج کے رشتے کو نمایاں کرتا ہے۔ جدید سماج میں اہلِ قلم کی شمولیت اور کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ " مجموعی طور پر جدید دور کا قلم کار اور اس کی تحریر اپنے اسلاف کے مقابلے میں زیادہ سماجی ہے۔ اس سماجیت کے اچھے برے دونوں پہلو ہیں لیکن یہ سماجیت تاریخی عمل کی عطا ہے (۱۲)۔ نو آبادیاتی نظام میں نو آبادکار کا کردار بہت اہم ہے۔ یہ نہ صرف معاشی نظام پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ کسی بھی معاشرے کے سماجی عمل کو بھی اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کرتا ہے اور تقریباً یہی کچھ انگریز سامراج نے کیا اور اس کے اثرات اس خطے میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیئر رقم طراز ہیں:

> "نو آبادکار خود کو نو آبادیاتی اقوام کے سامنے قدر اور اصول کے طور پر پیش کرتا ہے۔ پیش کرنے کا طریق کار علمی اور فلسفیانہ ہو سکتا ہے مگر اصل میں یہ اصول، طاقت اور اقتدار سے عبارت ہے۔ نو آبادکار جب نو آبادیاتی اقوام کے علوم، زبان، ثقافت،

تاریخ اور ادب کا مطالعہ کرتا ہے تو یہ معروضی، غیر جانبدارانہ مطالعہ نہیں ہوتا، اس کی نوعیت ڈسکورس کی ہوتی ہے۔ ڈسکورس ایک ایسا کلامیہ ہے جو سچائی کے مقابلے میں طاقت کو اہمیت دیتا ہے۔"(۱۳)

نو آبادیاتی اور سامراجی نظام میں نو آبادکار اس خطے کے لوگوں کا استحصال کرتا ہے جو اپنے علاقے کے اصل وارث ہوتے ہیں اور نو آبادکار کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتا کہ ان کی کیا حیثیت ہے۔ وہ صرف اپنے مفادات کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبداللہ یوسف علی، علامہ، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ (لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۴ء) ص ۲۸۰

۲۔ باری علیگ، کمپنی کی حکومت (لاہور: طیب پبلشرز، ۲۰۰۱ء) ص ۳۰۹

۳۔ ابوالکلام قاسمی، تنقیدی زاویے (علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۷ء) ص ۶۵

۴۔ ایضاً، ص ۶۶

۵۔ اقبال آفاقی، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت (فلسفہ و تاریخ کے ناظر میں) (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۳ء) ص ۹۱

۶۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ص ۲۰۰۸ء) ص ۱۰۸

۷۔ احمد سہیل: ڈاکٹر، ساختیات، تاریخ، نظریہ اور تنقید (دہلی: تخلیق کار پبلشرز، ۱۹۹۹ء) ص ۳۲۹

۸۔ طارق کلیم، ڈاکٹر، اردو کی ظریفانہ شاعری میں مزاحمتی عناصر (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۸ء) ص ۱۷۳

۹۔ ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر، نو آبادیات اردو کے تناظر میں (لاہور: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۳ء) ص ۳

۱۰۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، اکبر الہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء) ص ۱۲۷

۱۱۔ مینیجر پانڈے، ادب کی سماجیات: تصور اور تعبیر (مترجم) سرور الہدیٰ (نئی دہلی انجمن ترقیٔ اردو ہند، ۲۰۰۶ء) ص ۱۳۲

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ ناصر عباس نیئر، نو آبادیاتی صورتحال (مشمولہ) نو آبادیات و مابعد نو آبادیات مرتبہ محمد عامر سہیل (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء) ص ۱۱۳